چوں مرگ آید

ڈاکٹر سید تقی عابدی ۔ مریض علامہ اقبال

تجزیہ : تسلیم الٰہی زلفی (کینیڈا)

عصر حاضر کے ایک مشاق معالج ڈاکٹر سید تقی عابدی نے جدید طبی تحقیقات کی روشنی میں شاعر مشرق علامہ اقبال کی بیماریوں اور مرض الموت کی تفصیلات کا جائزہ ایک ادبی محقق کی نظر سے اپنی تازہ تصنیف ''چوں مرگ آید'' مطبوعہ 2007ء میں لیا ہے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ ڈاکٹر عابدی پیشے کے لحاظ سے طبیب ہیں لیکن دنیا ئے اردو ادب میں بہ ایک باریک بیں تجزیہ نگار اور محقق کی حیثیت سے جانے اور مانے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی طبیب نے اپنے منصب کی پاسداری کرتے ہوئے تاریخ اردو ادب میں پہلی بار کسی عظیم ادبی ہستی کی بیماریوں اور مرض الموت کی تشخیص، تحقیق اور تجزیہ -- خطوط، مستند حوالوں اور جدید طبی تحقیقات کی روشنی میں کیا ہے۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ادبی دنیا میں اب تک کسی بھی اہم شخصیت کے حوالے سے فقط علمی، تخلیقی، فنی، فکری، ذہنی اور عملی تناظر میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ تحقیق سے علم و فن کی نئی راہیں دریافت ہوئیں۔ نئی جہتیں ابھریں اور نئے انکشافات نے جنم لیا۔ ان نئی دریافتوں، نئے حقائق اور نئے انکشافات کی روشنی میں، مروجہ نتائج یا نظریات پر نظر ثانی کرتے ہوئے ان کے اثرات کا کھوج لگا کر اس کی صحیح تاویل پیش کی جاتی ہے۔ اقبال پر تحقیقی کام ان کی زندگی میں ہی شروع ہو گیا تھا جو تا حال جاری و ساری ہے۔ علامہ پر تحقیق کے نئے نئے گوشے وا ہو چکے ہیں اور بہت سے منور ہونا باقی ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر عابدی نے علامہ مرحوم کے بدن کی اندرونی کارکردگی اور کیفیات کا جائزہ لے کر نہ صرف یہ کہ اقبال حوالے سے کی جانے والی تحقیق کے ضمن میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا ہے بلکہ آئندہ کسی بھی بڑی اور اہم شخصیت پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بھی ایک نیا در وا کر دیا ہے۔ بدن کی اندرونی کارکردگی اور کیفیات کی بدنظمی کے سبب انسان کے جذبات میں جو تلاطم پیدا ہوتا ہے، اس کا اثر براہ راست اس کی کارکردگی اور تخلیقی عمل سے ظاہر ہوتا ہے، جس کی مثال خود قریب المرگ اقبال کی آخری عمر کی خالص اور بغیر کسی بناوٹ اور ملاوٹ کی نظمیں ہیں۔

آیئے اب اوپر پیش کیے جانے والے اپنے نکات کی روشنی میں ڈاکٹر عابدی کی کتاب 'چوں مرگ آید' کا جائزہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا کہ اس کتاب کی انفرادیت اور بنیادی چیز علامہ اقبال کی زندگی کے

آخری دنوں میں ان کے بدن کی اس اندرونی کارکردگی اور کیفیات کی بدنظمی کا جائزہ لیا ... جو مختلف بیماریوں اور مرض الموت کا سبب بنی۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک پیشہ ور طبیب ... محقق ہونے کی حیثیت سے' اس کتاب میں جتنی معلومات' بدنی کیفیات' روحانی اعتقادات' کو جس طرح لیتے ہے ہوتا ہے' اقبال کی خود مطب سے واقفیت اور وابستگی کو بھی پیش نظر رکھا ہے' یہ بھی بتایا ہے کہ اقبال کو زمان و مکان کے لحاظ سے کس سے زیادہ بہترین معالجین کی طبی امداد بھی حاصل رہی' گفتگو لفظ بہ لفظ خطوط کے آئینے میں' اور مستند حوالوں کی روشنی میں کی ہے' اور طبی جائزے کے ساتھ نتائج اخذ کیے ہیں۔

میری باقاعدہ طبی تعلیم تو ظاہر ہے نہیں ہے۔ لیکن ایک قلم کار ہونے کے ناطے اپنی معلومات میں اضافے اور اپنے شوق کی تسکین کے لیے' انسانی نفسیات اور جسمانی ساخت اور کیفیات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے' اس ضمن میں بہت کچھ پڑھا ہے' جس کی رو سے -- انسان پر اس کے ذہن اور مزاج کے مطابق' اپنے معاشرے' موسموں اور بیماریوں کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم اس نظریے کو اقبال پر منطبق کریں تو دیکھتے ہیں کہ ان کی زندگی کے آخری دور میں بالخصوص مسلم معاشرے کی جو دگرگوں حالت تھی اس کا براہ راست اثر اس حکیم الامت نے قبول کیا -- کہ جب انسانیت مریض ہو جاتی ہے تو معالج انتہائی کوشش کرتا ہے کہ ناصحانہ حکمت و موعظت اور مشفقانہ انداز و تبشیر سے اس کا علاج ہو جائے۔ وہ ان افراد کی اصلاح کی کوشش میں اپنے دل کو پگھلاتا اور اپنی روح کو انڈیلتا ہے۔ ان کی ہلاکت اور تباہی کا تصور اس کے قلب حساس میں تھرتھری پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ان کی صحت کے لیے دوائیں کرتا اور دعائیں مانگتا ہے۔ ان کے مرض کی شدت اور اس کے انجام کے خیال سے اس کا جگر گداز ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی اور علاج سے انکار سے اسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ارشاد ربانی ہے: ولا تحزن علیہم ولا تکن فی ضیق مما یمکرون۔ ان لوگوں کے انکار و جحود اور ضد اور ہٹ دھرمی سے رنجیدہ خاطر ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ان کا ناسور لاعلاج ہو چکا ہے۔ ان کی انسانیت اس حد تک مردہ ہو چکی ہے کہ اس میں زندگی پیدا ہی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ان کے انجام و عواقب پر دل گیر نہیں ہونا چاہیئے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ اس پیغام حیات کو عام کرتے جاؤ۔ جن قلوب میں زندگی قبول کرنے کی ذرا سی بھی صلاحیت موجود ہے وہ زود یا بدیر' اس پر توجہ دیں گے اور اپنے علاج پر مائل ہو جائیں گے۔ اقبال نے اپنے افکار کی بنیاد اور اساس قرآن کریم کو بنایا اور اپنی تعبیر میں انسان کو اپنے آپ کو پہچاننے کی دعوت دی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ناامیدی اور مایوسی سے نکالا اور ان کے تابناک ماضی کی یاد دلاتے ہوئے مستقبل کی امید دلائی۔ درحقیقت انہوں نے عصر حاضر کے مسلمانوں کو نئی جرأت دی اور انہیں اسلامی ثقافت کے مطابق علم و دانش حاصل کرنے کی تلقین کی اور تا دم آخر کی -- کہ مسلم امت کی فکر اور غم ہی انہیں بستر مرگ پر لے گیا -- لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اقبال اپنی آخری سانس تک حکیم الامت بنے رہے اور اپنی زندگی کی آخری چند گھڑیوں میں ایک نیک لینے

ے اس لیے انکار کر دیا تھا کیونکہ وہ بے ہوشی کے عالم میں مرنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ وہ فرماتے تھے کہ " I want to face death " اور ایسا کہتے ہوئے یقیناً ان کے پیشِ نظر قرآن کی یہ جامع آیت ہوگی قُل اِنّ صلاتی و نُسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین' لا شریک لہ' و بذلک اُمرت' و انا اوّلُ المسلمین۔ یعنی میرے فرائض زندگی کی ادائیگی اور اس ادائیگی کے طور طریق یعنی کہ میری زندگی اور میری موت، اس خدا کے متعین کردہ پروگرام کی تکمیل کے لیے ہے جس نے ربوبیت عالمین کا ذمہ اپنے اوپر لے رکھا ہے۔ میں اس مقصد میں کسی اور جذبہ یا مفاد کو شریک نہیں کرتا۔ اس کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اس کے سامنے سب سے پہلے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا کہ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ، موضوع کے اعتبار سے اقبال کی آخری عمر میں لاحق ہونے والی بیماریوں اور مرض الموت کے حوالے سے نہایت مستند اور اپنی نوعیت کی پہلی دستاویز کتابی شکل میں پیش کی ہے جس کے مطالعہ سے نہ صرف عام اہل ادب کی معلومات میں اضافہ ہوگا' بلکہ اقبالیات کے خاص طالب علم بھی مستفید ہوں گے۔

416 737 3458

☆☆☆